اُردو کلاسیکی شاعری کی سائنسی تعبیر و تفہیم

Scientific Interpretation and Understanding of Urdu Classical Poetry

Sajjad Naqvi
BS-Urdu, Govt. College University, Lahore
hussainsyedsajjad268@gmail.com
Syed Husnain Shah
M.Phil-Urdu, Govt. College University, Lahore
syedhusnainshahs743@gmail.com
Arshad Ali
BS-Urdu, Oriental College, Punjab University, Lahore
arshadalige839@gmail.com

KEYWORDS

Scientific Consciousness
Universal Evolution
Pareidolia
Elements
Hydrophobia
Big Bang
Sensitive

DATES

Received	**12-04-2025**
Accepted	**10-05-2025**
Published	**30-06-2025**

QR CODE

ABSTRACT

Poetry and science are different fields, but they share some important values, especially imagination and consciousness or awareness. Poets, using their feelings or the knowledge of their time, often show signs of scientific thinking in their poetry. Classical poets did not formally study science, and science was not very developed in their time. However, because poets are more sensitive and creative, they could naturally express ideas similar to scientific facts. Critics believe this ability comes from the poet’s strong intuition. In Western poetry, scientific awareness is clearly seen. In Urdu poetry, some early examples can be found in Deccani Masnavis. This article explores Urdu classical poetry through a scientific perspective and highlights the scientific ideas reflected in it.

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/140

تلخیص:

شاعری اور سائنس اگرچہ دو الگ الگ میدان ہیں، مگر ان میں تخیل اور شعور جیسی کئی اہم قدریں مشترک ہیں۔ شاعر اپنے جذبات یا اپنے زمانے کے علم کی بنیاد پر اپنی شاعری میں اکثر سائنسی سوچ کے آثار پیش کرتے ہیں۔ کلاسیکی شعرا نے سائنس کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور ان کے دور میں سائنس زیادہ ترقی یافتہ بھی نہ تھی۔ تاہم، اپنی حساسیت اور تخلیقی صلاحیت کے باعث وہ قدرتی طور پر ایسے خیالات کا اظہار کرتے تھے جو سائنسی حقائق سے مماثلت رکھتے ہیں۔ نقادوں کے مطابق یہ صلاحیت شاعر کے قوی وجدان کا نتیجہ ہے۔ مغربی شاعری میں سائنسی شعور نمایاں طور پر نظر آتا ہے، جبکہ اردو شاعری میں دکنی مثنویات میں اس شعور کی ابتدائی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس آرٹیکل میں کلاسیکی اردو شاعری کا سائنسی تعبیر کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور ان سائنسی خیالات کو اجاگر کیا گیا ہے جو شاعری میں موجود ہیں۔

شاعری تخیل کی کرشمہ سازی اور جذبات و احساسات کے حسین امتزاج کا لطیف اظہار یہ ہے۔ یہ اپنے شعری ساختیے میں احساسِ جمال کا ادارک ہے۔ شعر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسان نورِ فراست سے اپنی علمی و ادبی بصیرت اور تفہیم کا چہرہ دیکھتا ہے۔ شعر اپنے باطن میں کئی مفاہیم و مطالب مخفی رکھتا ہے۔ دوسری طرف سائنس باضابطہ علم کا نام ہے۔ جس کے ہاں عقل و دانش اور تجربہ کسوٹی ہے۔ سائنس منطق اور قطعیت کے خطوط پر استوار ہے۔ سائنس اور شاعری کے بارے میں یہ تاثر رہا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ سائنس کسی مفروضے یا شے کی سمجھ پرکھ کو مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر کستی ہے جب کہ شاعری کے میدان کا تعلق جمالیاتی حِس اور تخلیقی آہنگ سے ہے۔ البتہ اس تاثر کے ساتھ کچھ نئی بحثیں بھی جنم لیتی ہیں جو سائنس اور شاعری کے باہمی تعلق پر دال ہیں۔ سائنس اور شاعری میں کئی قدریں مشترک ہیں جن میں اولیں قدر قوتِ متخیلہ اور شعور ہے۔ بہ طور شاعر اور سائنس دان انسان کی خواہش رہی ہے کہ وہ اِس کائنات کے خفیہ رازوں سے پردہ اٹھائے نیز نت نئے انکشافات اور آفاقی حقائق کو طشتِ از بام کرے۔ شاعری اپنے اندر کائنات کے بارے میں کئی آفاقی صداقتیں رکھتی ہے اور ان آفاقی صداقتوں میں اشیا اور مظاہر فطرت کا گہرا مشاہدہ اور شعور ظہور پزیر ہوتا ہے۔ جو شاعری کو سائنس کے قریب کرتا ہے۔ اگر قدیم ادب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے اپنے تخیل کی پرواز سے کئی خیالی اور مافوق الفطرت کردار اور اشیا تخلیق کیں جو آج ہمیں اپنی چاروں اور حقیقی وجود کے طور پر نظر آتی ہیں۔ اڑن کھٹولے، اڑن قالین، اڑن طشتری یہ وہ خیالی پروازیں ہیں جو آج ہمیں ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر اور راکٹ کی صورت اس جیتی جاگتی حقیقی دنیا میں محوِ پرواز نظر آتے ہیں۔ اسی طرح داستانوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کیسے ایک جادوگر کسی پانی بھرے برتن یا دیوار پر منتر پڑھ کر میلوں دور موجود انسان کو حاضر کر کے اس سے باتیں کرتا ہے آج اس کی حقیقی صورت موبائل فون اور کیمرے جیسی ٹیکنالوجی ہے۔ جہاں شاعر و

ادیب کا تخیل اس نوعیت کی جلوہ گری کرتا ہے وہیں ایک سائنس دان اپنے اس تخیل کو تجرباتی اور مادی بنیادیں فراہم کر کے حیرت انگیز ایجادات اور دریافتوں کی صورت میں سامنے لاتا ہے۔

جہاں تک شعرا کے ہاں پایا جانے والا سائنسی شعور یا سائنسی تخیل کا معاملہ ہے تو اس حوالے سے یہ بات قابلِ غور ہے کہ کلاسیکی یا قدما دور کے شعرا نے باقاعدہ کوئی سائنسی علوم نہیں پڑھے تھے اور نہ ہی اس دور میں سائنس اتنی پھلی پھولی تھی۔ تاہم شاعر حضرات سماج میں عام انسانوں کی نسبت تخیلاتی طور پر بلند اور نباضِ فطرت ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک تخلیق کار ہونے کے ناطے ان کے اندر اس حِس کا ادراک ہوتا ہے کہ وہ سائنسی شعور کے مترادف حقائق کو پیش کرتے نظر آئیں۔ ان کے اس تخلیقی عمل کے پیچھے جو قوت کار فرما ہوتی ہے ناقدین نے اسے وجدان کی قوت قرار دیا ہے۔ اس حوالے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”سائنس اور شاعری کا باہم گروہی رشتہ ہے جو جسم اور روح کا ہے سائنسی شعور اور شعری وجدان کی در حقیقت ماہیت ایک ہے۔ نظم کائنات میں جو شے اصل حیات بن کر روح رواں کی صورت میں جاری و ساری ہے، وہی شے شعر کے پیکر احساس میں ڈھل کر دل کے تاروں کو چھیڑتی ہے۔ بظاہر شعر کا جہانی معنی اور ہے اور نظم ہستی کے وجود پذیر ہونے کے کلیے قاعدے اور ہیں لیکن ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں دونوں ایک ہی حقیقتِ اصلی پر منتج ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بڑے شاعروں کے ہاں شعری وجدان ایک سطح پر سائنسی شعور سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔“ (1)

واضح رہے کہ سائنسی شعور کی اس کرشمہ سازی میں وجدان کے ساتھ ساتھ لاشعور اور اجتماعی لاشعور کی قوتوں کا بھی خاص عمل دخل ہوتا ہے۔

اگر ہم مغربی شاعری میں سائنسی شعور کی نشان دہی کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اور شاعری کا تعلق بہت پرانا ہے۔ قدیم معروف یونانی شاعر ”ہومر“ اس زمرے میں اہم مثال ہے۔ ہومر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا پہلا شاعر واقع ہوا ہے، جس نے ”ایلیڈ“ اور ”اوڈیسی“ جیسے شاہکار کلاسیکی فن پارے تخلیق کیے۔ یہ تخلیقی پارے مشاہدۂ کائنات اور مظاہر فطرت کی عکاسی کا دلچسپ اظہار ہیں۔ لہذا اس توسط سے قدیم یونانی شاعری بھی اپنے ہاں سائنسی عناصر کی جھلک رکھتی ہے۔ اس حوالے سے ”عبید اللہ سکھیرا“ کے مضمون کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”سائنس اور شاعری کا یہ باہمی تعلق جو بیسویں صدی کی شاعری میں واضح تر ہو کر سامنے آیا ہے دراصل بہت پرانا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دنیا کے پہلے معلوم شاعر ہومر کے زمانے سے عہد حاضر تک کی شاعری کا جائزہ لیں تو ہمیں شاعری اور سائنس شانہ بشانہ چلتی نظر آتی ہیں بلکہ بعض جگہ تو شاعری نے اپنے زور تخیل سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس وسیع کائنات کی تسخیر تعبیر کے لیے بے شمار امکانات کی شمعیں بھی روشن کی ہیں جن سے راہ پا کر سائنس نے چاند کو سفر کیا، ستاروں پر کمندیں ڈالیں، جادو اثر تریاق ایجاد کیے، ہواؤں میں اُڑنا سیکھا اور فی زمانہ تو جینیٹک انجینئرنگ (Genetic Engineering)

> سے پودوں اور جانوروں کی محیر العقول اقسام بھی تخلیق کی جارہی ہیں۔ یوں آج کا شاعر سائنس دان کو نظریاتی بنیاد فراہم کرتا نظر آتا ہے۔"(2)

اس کے علاوہ مغربی ممالک میں سے ایک قدیم ترین مثال ہمیں Titus Luceritus Carus نامی شاعر اور فلسفی کی مشہور نظم De Reram Natrua کی ملتی ہے۔ بعد میں اس کا انگریزی ترجمہ "On the Nature of things " کے عنوان سے ہوا۔ اس شاعر نے پہلی مرتبہ اپنی شاعری میں "ایٹم" کا لفظ برتا۔ مقبول جرمن شاعرِ المانوی گوئٹے عالمی شاعری میں کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کے نثر و شعر میں ہمیں کئی مقامات پر سائنسی اشارے ملتے ہیں۔ یاد رہے کہ "گوئٹے" ایک عظیم شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سائنس دان بھی تھا۔ مشہور انگریزی شاعر "جان ملٹن" کی نظمیں بھی فلکیاتی حقیقتوں سے لیس نظر آتی ہیں۔ ملٹن فلکیات سے بہت متاثر تھا۔ "جب ملٹن گلیلیو کے نئے بصری آلات کا گرویدہ ہوا اور جب وہ اپنی نظم "شیطان حضرتِ عیسی کو لبھانے کی کوشش میں" لکھ رہا تھا تو وہ حضرتِ عیسی کو اس دنیا کی سلطنت کا نظارہ پرانے انداز میں محض سادہ آنکھ کے ذریعے سے نہیں کراتا بلکہ 'ہوا یا دوربین کے شیشے کی بدولت اضافہ شدہ نظارہ کی بصری مہارت' کے ذریعے سے کراتا ہے۔"[۳] ایک اور مشہور زمانہ انگریزی شاعر "ولیم ورڈز ورتھ" جسے فطرت پسند شاعر کہا جاتا ہے۔ اپنی شاعری میں فطری عناصر کی سائنسی تعبیر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک وقت تک ولیم سائنس کا مخالف رہا مگر جلد ہی اس نے حقیقت کو سمجھ لیا اور شاعری میں سائنسی خیالات کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ مستقبل میں ہونے والی سائنسی پیش رفت شاعروں کے فن کا موضوع ہوں گی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مغربی شعراء ہیں جن کے ہاں سائنس شعور کی پرچھائیاں محسوس ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سعید احمد رقم طراز ہیں:

> "انگریزی ادب میں الیگزنڈر پوپ، ورڈز ورتھ، کولرج، رابرٹ فراسٹ جیسے شعرانے شاعری میں سائنسی فکر کو برتا۔ فارسی شاعری میں مثنوی مولانا روم میں سائنسی اشارات بکھرے پڑے ہیں۔ مولانا روم نے نظریہ ارتقا پر بڑے فکر انگیز اشعار رقم کیے ہیں اور اجرام فلکی کی کشش اور دفع کی قوتوں کا بیان بھی بڑا حیرت انگیز ہے۔"(4)

عالمی شعر و ادب میں ہر طرح کی سائنسی فکر اور سائنسی موضوعات کو عمدگی سے برتا گیا ہے۔ ایٹمی نظریات، گلیلیو کے افکار، نیوٹن اور آئن سٹائن سمیت نظریہ ارتقا کے بانی چارلس ڈارون کے خیالات اور نت نئی ایجادات کو شعر و ادب میں جذب کیا گیا اور کیا جارہا ہے۔ یہاں پر سائنسی انداز فکر کی حامل کچھ نظموں کے عنوانات درج کیے ہیں ملاحظہ ہوں:

رابرٹ فراسٹ کی نظم (Fire and Ice)

ایملی ڈکسن کی نظم (Areturus)

البرٹ گولڈبرڈ کی نظم (The science sing a lullaby)

میری ہاوے کی نظم (Singularity)

ڈین این ایکرمین کی نظم (Space shuttle)

جمیس کلارک میکس ویل کی نظم (Molecular Evolution)

رچرڈ فینمین کی نظم (A Universe of Atoms, An Atom In The Universe)

رچرڈ ریان کی نظم (Galaxy)

اینی ڈلارس ڈس کی نظم (The windy plannet)

مغرب میں فلسفیانہ اور سائنسی نظریات نے جنم لیا تو یہ ان کی شاعری کا حصہ بھی بنے کیوں کہ شاعری کا شمار علوم وفنون میں ہوتا ہے اور یوں یہ ایک ذریعہ ٹھہری۔ اہل مشرق کے ہاں بھی خصوصاً فارسی اور اُردو شاعری میں سائنسی شعور اور سائنسی تخیل کی پروازیں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔

اس ضمن میں اگر قدیم / کلاسیک اُردو شاعری کا جائزہ لیں تو اس میں سائنسی شاعری کے ابتدائی نقوش واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ برصغیر میں دکن وہ احسان مند خطہ ہے، جس نے اُردو زبان و ادب کی نشو و نما اور اس کی ترویج و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس دور میں کئی اہم مثنویاں لکھی گئیں۔ جن میں سے ایک فخر الدین نظامی کی مثنوی "کدم راو پدم راو" اُردو شاعری کا ابتدائی نمونہ ہے۔ اُردو شاعری کا پہلا صاحب دیوان شاعر "قلی قطب شاہ ہے" جو گولکنڈہ کا بادشاہ تھا۔ اس کے علاوہ اُردو غزل کا باوا آدم "ولی دکنی" قطب شاہی دور کا نام ور شاعر تھا۔ لہٰذا دکن نے اُردو زبان و ادب کے پھولنے پھلنے اور اس میں متنوع علم و فن کو جذب کا کرنے کا ہر ممکن انتظام کیا۔ "سائنس کے میدان میں بھی دکن شروع ہی سے سربلند رہا۔" (5)

دکن میں لکھی گئی مثنویوں پر عمیق نگاہ ڈالیں تو ان میں سائنسی شاعری کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے خواجہ حمید الدین شاہد اپنی معتبر کتاب " اُردو میں سائنسی ادب " میں رقم طراز ہیں:

> "علم طب، موسیقی، جنسیات، حیوانیات، علم ہیت و ہندسہ اور طبیعیات پر نثر و نظم کے قدیم ترین اُردو مخطوطات دستیاب ہو چکے ہیں۔ دکن کی برید شاہی حکومت کے دور کے ایک شاعر شہاب الدین قریشی (۱۵۰۴تا۱۵۴۳) نے 'بھوک بل' کے نام سے ایک طویل جنسیاتی مثنوی لکھی تھی، جس کے دو مخطوطے کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن اور امپیریل لائبریری کلکتہ میں محفوظ ہیں۔" (6)

اسی کتاب میں علم طب پر "معالجات خواجہ بندہ نواز" (۱۶۸۱ء)، "مفرح القلوب" (۱۷۸۳ء) اور "علم موسیقی پر راگ بلاول" (۱۵۹۰ء) سمیت دیگر علم و فن پر کئی مخطوطات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اُردو شاعری میں عربی اور فارسی روایت کے زیرِ اثر فلکیات، ماحولیات، طب، ریاضی اور دیگر علم و فن سمیت مظاہرِ کائنات پر سائنسی اشارے ملتے ہیں۔

قدیم یا کلاسیکی شاعری کے حوالے سے راقم الحروف نے معنوی تعبیر سے کام لیا ہے۔ یعنی جو شعر اپنی گہری معنویت رکھتا ہے اس میں سے تعبیر کی صورت سائنسی عناصر کو نشان زد کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند شاعروں کا کلام سائنسی شعور کی روشنی میں بہ طور نمونہ پیش خدمت ہے۔

میر تقی میرؔ (۱۸۱۰-۲۳-۱۷ء) اُردو شاعری میں "خدائے سخن" کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری کے موضوعات کو رنج و الم تک محدود کیا جاتا ہے۔ جبکہ ان کی شاعری فکری، مشاہداتی، نفسیاتی اور فلسفیانہ الغرض ہر آئینے میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔ میرؔ کے کئی اشعار اپنے اندر سائنسی حسیت رکھتے ہیں اور ان کے ہاں طب، فلکیات، نفسیات جیسے موضوعات سمیت کیمیا اور سیماب جیسی علمی اصطلاحات ملتی ہیں۔ ان میں دو ایک مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

ہم جو کچھ دیکھتے ہیں یا جس شے کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ تصویری یا تصوراتی صورت میں ہمارے دماغ کے بصری نظام میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب ہم مبہم اشیاء دیکھتے ہیں تو ان میں ہمیں ترتیب شدہ اور ان مانوس تصویروں کے مماثل شکلیں نظر آتی ہیں جو پہلے سے کسی نہ کسی صورت ہمارے ذہن میں محفوظ ہوں۔ جیسے اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ بے ہنگم بادلوں، دیواروں، کہساروں ، درختوں اور حتیٰ کہ چاند میں بھی کچھ ایسی تصویریں بنتی نظر آتی ہیں جو خرگوش، بڑے بڑے پَروں والے پرندے یا دیو ہیکل مخلوق اور انسانی صورت نما ہوتی ہیں۔ اس ذہنی رجحان کو پیریڈولیا (Pareidolia) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کا تعلق ہمارے دماغ کے بصری حصے سے ہوتا ہے جو اس چیز کا عکاس ہے کہ ہمارا دماغ کس طرح معلومات کو پراسس کر کے مبہم اشیاء سے معنی نکالتا ہے۔ اسی پریڈولیا کی نمائندگی میں میر تقی میرؔ (کلیاتِ میرؔ [7]) کا ایک مشہور شعر ملاحظ ہو:

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ (ص:60)

"منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ" اس مذکورہ رجحان کی عمدگی سے ترجمانی کرتا ہے جس سے یہ کائنات آئینہ کی صورت نظر آتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے اس شعر کو ایک دماغی عارضہ "فریبِ نظر" "(Hallucination)" سے تعبیر کیا ہے، لکھتے ہیں :

> "متکلم عالم دیوانگی میں ہے، اور اس دیوانگی کا ایک تفاعل یہ ہے کہ اسے دیوار میں شکلیں منقش نظر آتی ہیں، لیکن اپنی دیوانگی کے باعث وہ اس وہم (hallucination) کو عرفان سمجھتا ہے۔ یا ممکن ہے دیوانگی کا عالم نہ ہو بلکہ محض hallucination ہو اور اس کی علت کوئی نشہ آور دوا (drug) ہو۔" (8)

یہ زمین جب وجود میں آئی تو اس پر اگلا مرحلہ زندگی اور زندہ رہنے کے لیے ساز گار ماحول کا ہونا ضروری تھا۔ قدرت نے اس پر ساز گار ماحول پیدا کیا، جس میں ہر شے سانس لے سکے۔ یہاں پر نامیاتی اشیا (Organic compound) کا ارتقا شروع ہوتا ہے۔ ارتقا کا یہ سلسلہ خردبینی جراثیموں سے، سمندروں میں مچھلیوں، خشکی پر رینگنے والے جانوروں اور ممالیہ جانوروں سے ہوتا ہوا نوعِ انسان تک پہنچتا ہے۔ یہ کہنے میں آسان ہے مگر ارتقا کے مرحلے میں انسان تک آنے کا سلسلہ اپنے پس منظر میں اَن گنت سائنسی پیچیدہ تبدیلیاں رکھتا ہے اور اس فلک نے کروڑوں سالوں خاک چھانی تو متنوع انواع میں تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ سلسلہ رکتا

نہیں بلکہ ہر سمت میں رواں دواں رہتا ہے۔اسی تبدیلی کی ایک صورت آج کا انسان ہے۔ نظریہ ارتقا ایک سائنسی حقیقت ہے جسے عظیم مفکر "چارلس ڈارون" نے سائنسی بنیادیں فراہم کیں۔اس کے علاوہ بھی کئی مفکروں نے زندگی کے ارتقا پر غور وخوض کیا مگر ڈاورن کے نظریہ کو سائنسی انداز فکر کے استدلال کی بدولت سند کی حیثیت حاصل ہے۔اس نظریے کی ایک جھلک مؔیر کے اشعار میں بھی نظر آتی ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
ص(98)

مت سہل ہمیں سمجھو پہنچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
ص(376)

مؔیر کے ان مذکورہ اشعار میں محض عظمتِ انسان کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ "پھرتا ہے فلک برسوں" اور "خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں" اپنے اندر گہری معنویت رکھتے ہیں، جس کی ایک صورت "نظریہ ارتقاء (Evolution) ہے کہ انسان ایسے ہی وجود میں نہیں آ گیا بلکہ اسے برسوں لگے خاک کے پردے سے انسان بننے تک۔ایک اور خوبصورت شعر دیکھیے:

آنے کا اس چمن میں سبب بے کلی ہوئی
جوں برق ہم تڑپ کے گرے آشیان سے
ص(204)

اس شعر کی سائنسی تعبیر محب عارفی (جو عمدہ شاعر بھی ہیں) اپنی کتاب "مؔیر اور آج کا شعری ذوق" میں یوں کرتے ہیں :

"اس شعر سے آج کا ذہن، طبیعاتی فلکیات کے اُس مفروضے کی طرف منتقل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس کی رو سے مادی کائنات، ایک مہیب دھماکے (BIG BANG) کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ غزل کے وہ روایتی استعارے جو یہاں برتے گئے ہیں، نئی معنویتوں کے حامل نظر آنے لگتے ہیں، یعنی:- چمن: معرضِ وجود، بے کلی: مذکور مہیب دھماکے کا موجب (ہمارے عقیدے کے مطابق، موجد کائنات کا ایمائے "کن")، ہم: قابلِ ادراک موجودات، آشیان: شبستان عدم۔اپنے زم کے پہلو کے باوجود، یہ شعر، نہایت درجہ وقیع وکیف انگیز ہے۔" (9)

محمد رفیع سوؔدا (۱۷۸۱-۱۷۱۳ء) کو اُردو شاعری خصوصاً قصیدے میں نقاشِ اول کی حیثیت حاصل ہے۔ سوؔدا نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ سوؔدا نے علوئے تخیل اور غائر مشاہدے سے شاعری میں کئی فطری حقائق کو آشکار کیا۔ان کی شاعری کو اگر سائنسی نقطہ نظر سے پرکھا جائے تو ہمیں قوتِ نامیہ، سیاروں، بگولا، دوائے تلخ، لاوا، خوفِ آب اور نرگیست جیسی اصطلاحات ملتی ہیں۔

یونانی فلاسفہ میں سے ایک فلسفیانہ نکتہ یہ تھا کہ تمام اشیا چار عناصر سے مل کر بنی ہیں۔ یہ چار عناصر ہوا، مٹی، پانی اور آگ ہیں۔ لہٰذا عام خیال تھا کہ انسان کا جسم بھی انھیں سے بن کر وجود میں آیا ہے۔ سوؔدا (انتخاب کلیاتِ سوؔدا)(10) بھی اپنے ایک شعر میں اس فلاسفی سے واقف نظر آتے ہیں:

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

ص(60)

اس شعر میں عاشق کا "دل" اور "آگ" میں نسبت ہے۔ یہ نسبت بے چینی اور اضطراب کی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مذکورہ چار بنیادی عناصر والی فلاسفی رد ہو گئی اور آج ہمیں سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ عناصر محض چار نہیں بل کہ ان کی تعداد جو قدرتی طور پر پائی جاتی ہے وہ 92 ہے اور ان عناصر (Elements) کی پیر اڈک ٹیبل میں اب تک کل تعداد 118 معلوم ہوئی ہے۔ لہٰذا ہمارا جسم چار عناصر کے بجائے کئی عناصر اور مرکبات کا مجموعہ ہے جس میں آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن میگنشیم، کیلشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، گندھک، کوبالٹ، سوڈیم اور آئرن سمیت کئی دوسرے اہم عناصر شامل ہیں۔ لہٰذا اگر شعر کے مصرع اولی پر سائنسی نگاہ کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان بلکہ ہر شے انھی مذکورہ عناصر سے مل کر بنی ہے۔ ایک اور خوبصورت شعر دیکھیے:

پند سے تیری زاہد! حال مرا یہ ہے سے ہے
سگ کا گزیدہ جس طرح دیکھ ڈرے ہے آب کو

ص(199)

اس شعر کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ اے زاہد (نیک و پارسا) جب تو شراب نوشی کے بارے میں پند و نصیحت کرتا ہے اور اس کے نقصانات بتاتا ہے تو شراب کو دیکھ کر میرا حال بھی ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی سگ گزیدہ پانی سے ڈرتا ہے۔ سوؔدا کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں کتے بھی پال رکھے تھے لہٰذا انھیں یہ بھی علم تھا کہ کتے کے کاٹنے سے بیماری کا خدشہ ہوتا ہے۔

سگ گزیدہ کا مطلب "کتے کا کاٹا ہوا" ہے۔ جب کوئی درندہ صفت یا ہلکان کتا کسی انسان کو کاٹتا ہے تو اس انسان کے اندر ایک وائرس منتقل ہو جاتا ہے جسے داء الکلب (Rabies) کہتے ہیں۔ جو انسان کے دماغی خلیات اور اعصاب پر حملہ کرتا ہے۔ انسان کی غدودیں اور خصوصاً گلا سوجھن کا شکار ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کچھ کھا پی نہیں سکتا کیوں کہ اسے شدید تکلیف ہوتی ہے اور جب وہ پانی کو دیکھتا ہے تو نفسیاتی و جسمانی طور پر خوف محسوس کرتا ہے۔ اس بیماری کو خوفِ آب یا (Hydrophobia) کہتے ہیں۔ شعر میں اسی کیفیت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

غلام ہمدانی مصحفی(1743-1825ء) "میر" اور "سودا" کے ہم عصر اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کی شاعری ان کے معاصر استاد شعرا میں اپنے "ہونے" کا احساس دلاتی ہے۔ مصحفی کی شاعری میں روایتی طور پر ہمیں فلکیات، طب، ریاضی اور علمِ کیمیا کی مستعمل اصطلاحات ملتی ہیں۔ طب کے حوالے سے ان کے کلام (دیوانِ ششم [11]) میں دو اشعار بہ طور حوالہ ملاحظہ ہوں:

زیر آرہ انھیں رکھتی ہے شبِ ہجراں میں
درد مندوں کو ترے نبض جو منشاری
ص(276)

بیمار ہوں کس مورچہ بے خط کا جو یارو
رفتار مری نبض کی اب تک نملی ہے
ص(287)

ڈاکٹر سعید احمد ان اشعار کی شرح میں لکھتے ہیں :

" منشاری " اور " نملی " دونوں طب کی معروف اصطلاحات ہیں اور نبض کی اقسام ہیں۔ "منشار" اور " نمل" دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں اور بالترتیب آری اور چیونٹی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ "زیرِ آرہ " اور "منشاری " میں اور اسی طرح "مورچہ " اور " نملی " میں رعایتِ لفظی کا قرینہ موجود ہے۔"(12)

اسی طرح مصحفی کے ہاں جذر اصم (Irrational root) ریاضی کی ایک اہم اصطلاح دیوانِ ہفتم (13) ملتی ہے:

آخر مرا حساب سے اس ضربِ تیغ کی
دل خوں ہوا پہ حاصلِ جذر اصم ہوا
ص(62)

امام بخش ناسخ(1772-1838ء) کلاسیکی شاعری کے آسمان پر روشن ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں دبستانِ لکھنو کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ ناسخ کے کلام کی خاصیت الفاظ کی بندش اور ان کا موزوں برتاؤ ہے۔ کھانا، ورزش اور شاعری کرنا ان کے تین اہم شوق تھے۔ اس نسبت سے لوگ انھیں "پہلوانِ سخن" بھی کہتے تھے۔ ناسخ (غزلیاتِ ناسخ (۱۴)) کا ایک مقبول شعر ہے :

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
ص(79)

یہ بظاہر سادہ مگر غور کرنے پر ایک طبی (Medically) حقیقت رکھتا ہے۔ ہمارا دل ہمارے پورے جسم میں خون کی گردش کا ذمہ دار ہے۔ کیوں کہ اس کا کام خون پمپ کرنا ہے۔ اگر یہ اپنا کام صحت مند طریقے سے کرتا رہے گا تو انسان زندہ دلی سے

جیتا ہے۔ لیکن جہاں یہ ناکارہ ہو جائے تو اس کی شریانیں سوکھ جاتی ہیں اور دل کام کرنا بند کر دیتا ہے، جس کے سبب انسان کی موت واقع ہوتی ہے۔ مصرع اولی "زندگی زندہ دلی کا ہے نام" ضرب المثل کا درجہ رکھتا ہے۔ لہذا دل زندہ ہے تو اسی سے زندگی وابستہ ہے۔

بھارت سے ایک سائنسی نقاد اور شاعر انجینئر محمد عادل نے ناسخؔ کی شاعری کو سائنسی بنیادوں پر پرکھنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ انھوں نے کلامِ ناسخؔ کی سائنسی شرح کر کے اس میں سے کئی اہم موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ جس میں بلیک ہول، بگ بینگ، فوڈ چین، انعکاسِ نور وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے مضمون "کلامِ ناسخؔ میں سائنسی موضوعات" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

"روشنی ہونے پر ہم چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ روشنی کے راستے میں آنے سے ہی چیزوں کا سایہ وجود میں آتا ہے۔ اگر روشنی نہ ہو تو نہ ہم چیزوں کو دیکھ پائیں گے نہ چیزوں کا سایہ ہی بن سکے گا۔ ناسخؔ اپنے ایک شعر میں سوال کے انداز میں اس سائنسی عمل کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں :

کسی کا کب کوئی روزِ سیہ میں ساتھ دیتا ہے؟
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

پھول کب مہکتے ہیں؟ کب ان میں خوشبو پیدا ہوتی ہے؟ اس طرف کچھ اس طرح اشارہ کرتے ہیں :

شگفتہ غنچہ نہ جب تک ہو بو نہیں آتی
ہو چاک چاک اگر دل تو ہو اثر پیدا

ناسخؔ اپنے ایک شعر میں اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ کس طرح خوشبو بغیر آب و ہوا کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل نہیں ہو سکتی اور آب و ہوا میں خوشبو کس طرح پھیلتی ہے :

معطّر اُس کے نہانے سے بس کہ آب ہُوا
حبابِ بحر ہر اک شیشۂ گُلاب ہوا

الغرض یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناسخؔ صرف معاملہ بندی کے ہی شاعر نہیں بلکہ ان کے کلام میں وہ گہرائی اور گیرائی ہے جس کو سائنس کی فکر پر پرکھنے سے ان کے شاعرانہ جوہر مزید کھل کر سامنے آتے ہیں اور ان کا کلام موجودہ دور میں بھی اپنی اہمیت کا لوہا منواتا ہے۔"(15)

ابراہیم ذوقؔ(1854-1790ء)غالبؔ کے ہم عصر اور بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد ہیں۔ ذوقؔ کی شاعری علمی حیثیت سے بہت پختہ نظر آتی ہے۔ ان کی غزلوں خصوصاً قصیدوں میں علم و فن سے منسلک ہر طرح کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اُردو قصیدے میں کم و بیش سب قصیدہ نگاروں کے ہاں علمی اصطلاحات مستعمل ملتی ہیں مگر ذوقؔ کو سب پر برتری حاصل ہے۔ ذوقؔ نے اپنے دور کے متعدد مقبول علوم سیکھے اور یوں اپنی علمی استطاعت میں اضافہ کرتے رہے۔ ایک تشبیب میں ذوقؔ اپنی علمیت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

شب کو میں اپنے سرِ بستر خواب راحت
نشۂ علم میں سر مستِ غرور و نخوت
جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام
عقل کو تجربہ کی اتنی ہوئی تھی کثرت
کبھی منطق کو تفوق یہ مرے ناطقے سے
فوقِ حکمت ہو یہ فن گرچہ ہے تحتِ حکمت
کبھی میں کرتا تھا تصریحِ معانی و بیاں
کبھی میں کرتا تھا توضیحِ نجوم و ہیئت
کبھی تھی عرصۂ تدویر فلک کی مجھے سیر
کبھی میں ناپتا تھا سطحِ زمیں کی وسعت
کبھی ثابت مرے نزدیک فلک کی گردش
کبھی مثبت مرے نزدیک زمین کی حرکت(16)

یہ فخریہ قصیدہ کی قسم ہے جو ذوقؔ کی علمی استعداد پر دال ہے۔ درج بالا اشعار میں آخری شعر کا مصرع ثانی زمین اور تمام فلک کی گردش کا اظہار یہ ہے۔ آج یہ ایک مسلم سائنسی حقیقت ہے کہ زمین سمیت خلا میں موجود تمام اشیا متحرک ہیں۔ جب کہ ذوقؔ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس دور میں زمین کے ساکن ہونے اور کئی ایسے فرسودہ عقائد کا رواج تھا۔ مذکورہ قصیدے کی تشبیب کئی اصطلاحات مثلاً منطق، فلسفہ، کلاسیکل سائنس، طب، فلکیات، نجوم، علم کیمیا، موسیقی، ریاضی، ارضیات، فقہ، تفسیر ،حدیث اور عروض جیسے علوم کا احاطہ کرتی ہیں جن میں کئی اصطلاحات سائنسی اشارات اور سائنسی صداقتوں پر منتج ہیں۔

انشاء اللہ انشاؔ (1752-1816ء) ایک قادر الکلام شاعر واقع ہوئے ہیں۔ جو بہ یک وقت کئی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ جن میں اُردو، عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی سمیت علاقائی زبانیں شامل ہیں۔ اپنی شاعری میں جدید دور کی ترقیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس حوالے سے انگریز وارث جارجِ ثالث کی شان میں ان کا لکھا قصیدہ قابل ذکر ہے۔ اس ضمن میں ابو محمد سحر اپنی کتاب "اُردو میں قصیدہ نگاری" لکھتے ہیں :

> "جارج ثالث کی مدح مبالغہ آرائی کے باوجود انھوں نے اصلیت و واقعیت سے زیادہ سروکار رکھا ہے کیوں کہ اس میں انھوں نے جارج ثالث کے زمانے میں علم اور سائنس کی ترقیات کا ذکر کیا ہے اور انگریزوں کی تاریخی کارگزاریوں اور ایجادات کی طرف اشارے کیے ہیں۔" (17)

مرزا غالبؔ (1797-1869ء): اُردو شاعری میں غالبؔ سائنسی تخیل کے حوالہ سے سب سے نمایاں شاعر ہیں۔ غالبؔ نے براہ راست تو کوئی سائنسی علوم نہیں پڑھے لیکن ان کے علمی و ادبی ماحول نے انھیں استقرائی مشاہدے اور غور و فکر کے قابل

بنایا۔غالؔب کے سائنسی شعور کے پیچھے ان کا وجدانی ادراک اور رفعتِ تخیل ہے۔غالؔب کا عہد ہندوستان میں انگریزی حکومت کے عروج اور مغل سرکار کے زوال کا عہد تھا۔انگریزوں نے مغرب میں ہونے والی ترقیوں کو ہندوستان میں بھی متعارف کروایا۔کلکتہ اور بنارس اس حوالہ سے اس دور کے ماڈرن شہر ٹھہرے۔غالؔب انگریزوں کی سائنسی ترقیوں اور ایجادات سے بہت متاثر تھے اور اس کا برملا اظہار انھوں نے اپنے خطوط اور تقریظ میں بھی کیا ہے۔اس کے علاوہ دلی کالج اور فورٹ ولیم جیسے ادارے جو سائنسی علوم وفنون کی ترویج واشاعت کے لیے قائم ہوئے، غالؔب کے سائنسی شعور کو نکھارنے میں کار آمد ثابت ہوئے۔غالؔب کے عہد میں علمی اعتبار سے طب ، ہیئت ، نجوم اور فلسفہ و منطق جیسے علوم بہت اہم اور دلچسپ سمجھے جاتے تھے۔غالؔب خود بھی فلسفیانہ بحث میں شریک ہوتے اور دوسروں کو بھی منطق و فلسفہ پڑھنے کی تلقین کرتے۔غالؔب کے فکری ماخذ میں ان علوم کا بھی بہت عمل دخل ہے جنھوں نے غالؔب کے تخیل کو سائنسی نوعیت کا بنا دیا۔غالؔب کے کلام میں روایتی اور کلاسیکل سائنسی علوم مثال کے طور پر فلکیات، طب، طبیعیات، ارضیات، حیاتیات، اور کیمیا کے بہت سے ایسے پہلو اور اشارے نظر آتے ہیں جن کے پیچھے غالؔب کا سائنس شعور اور تخیل آفرینی کی کرشمہ سازی ہے۔علاوہ ازیں، غالؔب کے شعری ساختیے میں کائناتی حقائق اور آفاقی صداقتوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔بلاشبہ غالب اُردو شاعری کے ایسے بلند آہنگ شاعر ہیں جن کی ایک حیثیت سائنسی شعور کے تناظر میں نمایاں ہے۔

غالؔب سائنس دان تو نہیں تھے مگر سائنسی انداز فکر ضرور رکھتے تھے اور سائنسی انکشافات ان کی شاعری میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔دیوانِ غالؔب [18] کا ایک خوبصورت شعر دیکھیے:

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

ص(197)

اس شعر کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ عالم شباب یا جب ہم طاقت ور تھے تو خوب گریہ کرتے یعنی آنسو بہاتے تھے۔لیکن وقت کے ساتھ ضعیفی اس قدر بڑھ گئی کہ اب گریہ نہیں ہوتا بلکہ سرد آہیں بھرتے ہیں۔یعنی آنسو (پانی) نے آہ (ہوا) کی صورت اختیار کرلی ہے۔اب یہ ایک سائنسی حقیقت اور مادہ کی خاصیت ہے کہ وہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہوتا ہے۔جب پانی کو گرم کیا جاتا ہے تو وہ بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے لہذا ''پانی کا ہوا ہونا'' غالؔب کے سائنسی تخیل کو نشان زد کرتا ہے۔اسی طرح غالؔب کے ہاں سائنس دانوں کی طرح سوچنے کا طرزِ معیار سامنے آتا ہے جو ان کے تجسس کا نتیجہ ہے۔اس حوالے سے شعر یہ ملاحظہ ہو :

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے

ص(396)

یعنی غالؔب فطری مظاہر سے لطف اندوز ہی نہیں ہوتے بلکہ اس پر غور و فکر بھی کرتے اور یوں ان کی شاعری استفہامیہ لہجہ سے مزین نظر آتی ہے۔ غالؔب کے مذاق سخن میں داخلی و ذہنی کیفیات کا تذکرہ علم نفسیات کی عمدہ ترجمانی ہے:

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
ص(223)

غالؔب نے اس مضبوط نظام فکر کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ اس فلسفیانہ اور فکری روایت نے آئندہ آنے والے شعرا کی راہیں ہموار کیں اور ان کی شاعری پر غالؔب کے اثرات پڑے۔ غالؔب ایک اور خوبصورت شعر دیکھیے:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا
ص(195)

اس شعر میں لفظ ”کاش“ متکلم کی حسرت کا غماز ہے۔ سطح زمین سے جب ہم آسمان کا نظارہ کرتے ہیں تو ہمیں عرش اپنے حسن و جمال کا نظارہ دیتا ہے۔ لیکن انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ عرش سے ادھر یعنی عرش سے آگے کے منظر کو بھی دیکھ سکے وہاں کے جو ستارے، سیارے اور دیگر اجرام فلکی ہیں ان کا دیدار بھی کر سکے اور یہ تجسس اسے بے قرار رکھتا ہے۔ مصرع اولی ”منظر ایک بلندی پر اور ہم بنا سکتے“ اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ غالؔب کے کائناتی ادراک نے اس بات کا اشارہ دیا کہ عرش سے اس پار بھی بہت کچھ دیدنی ہے۔ یہ شعر غالؔب کی وسعتِ نظر اور بلند تخیل کا عکاس ہے جو ہمیں عرش کے اس پار موجود اشیا کے بارے میں جستجو پر اُکساتا ہے۔ جیسے جیسے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی ہوتی گئی تو اس حسرت کو پورا کرنے کے لیے متجسس انسان نے دور بین ایجاد کی اور اس منظر کو دیدار کے قابل بنایا اور نہ صرف منظر دیکھے بلکہ چاند اور سیاروں پر کمند ڈالی اور وہاں تک اپنی رسائی کو ممکن بنایا۔ آج جدید ترین دور بینوں (ہبل اور جیمز ٹیلی سکوپ) کے وسیلے سے انسان نے کئی لاکھوں اور کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر موجود عرش سے ادھر کہکشاؤں اور ان میں بے تحاشا ستاروں کو عکس بند کیا ہے اور ماضی کے میں ہونے والے واقعات سے متعلق اہم ڈیٹا حاصل کر رہا ہے:

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
ص(194)

پہلے مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے (شبِ تنہائی اور جنونِ عشق میں) اس قدر گریہ زاری کی ہے کہ سیلابِ اشک نے ہمارا گھر ڈھا دیا ہے اور اس بستی کو ویران کر دیا ہے۔ لیکن اگر ہم نہ بھی روتے تو بھی اس کا مقدر ویرانی ہی تھا کیوں کہ ہم صحرا نوردی اختیار

کر لیتے اور ہماری غیر موجودگی سے یہ بیاباں کی شکل اختیار کر لیتا۔ دوسرے مصرع میں اس دعوے کو بحر کی مثال سے استدلال کیا گیا ہے کہ سمندر اگر سمندر نہ ہوتا تو اس کی جگہ بیابان ہوتا۔ اس شعر میں "رونے" اور "بحر" نسبتیں ہے۔ ممکن ہے غالؔب کا بحر کو بیاباں کہنا ایک مبالغہ ہو لیکن یہ مبالغہ آج ایک سائنسی حقیقت ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق اس خطہ عرض پر کئی خشکی کے ٹکرے ایسے ہیں جو کبھی سمندر یا سمندروں کا حصہ تھے۔ اس ضمن میں دنیا کا عظیم ریگستان "صحارا" (Sahara) قابل تذکرہ ہے۔ جدید علم الارض کے ماہرین کے مطابق بیاباں یا ریگستان "صحارا" کبھی ایک سمندر کا درجہ رکھتا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ زمین کی ٹیکناٹک پلیٹس کی حرکات اور موسمی تبدیلی کے سبب سمندر صحرا میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس تحقیق کی تصدیق وہ ان صحراؤں میں ملنے والی آبی مخلوقات کی باقیات (fossils) اور پتھریلی چٹانوں کے ملنے والے آثار سے کرتے ہیں۔ مذکورہ شعر کے مصرعۂ ثانی کی طرف یہ بہترین اور ایک سائنسی اشارہ ہے جو آج ثابت شدہ ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے بھی اپنی شرح "تفہیم غالب" میں اس شعر کو اسی سائنسی اور جدید علم الارض کی نوعیت سے پرکھا ہے اور وہ اس سائنسی حقیقت کے اظہار کے پیچھے غالؔب کے وجدانی اور وہبی فیاض کو نشان زد کرتے ہیں۔

درج بالا شعرا کے علاوہ بھی قدیم و کلاسیکی شاعری میں کئی ایسے شاعر موجود ہیں جن کے کلام میں سائنسی حسیت کی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ جن میں میر انیؔس، دبیؔر، آتشؔ، دردؔ جیسے شعرا قابل تذکرہ ہیں۔ میر انیسؔ پر ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی مرحوم نے "میر انیؔس کی شاعری میں رنگوں کا استعمال" اور "میر انیس بحیثیت ماہرِ حیوانات" لکھ کر اس بات کا بین ثبوت فراہم کیا ہے کہ میر انیؔس کا کلام بھی سائنسی شعاعوں سے منور ہے۔

حوالہ جات

1. حفیظ الرحمن خان، علم و ادبی تناظرات (لاہور: الحمد پبلیشرز، بارِ اول 1997ء)، 117۔
2. محمد عبید اللہ سکھیرا، احمد ندیم قاسمی کی نظم میں سائنسی شعور مشمولہ: نقاط (نظم نمبر) (مدیر: قاسم یعقوب) فیصل آباد: شمارہ نمبر 10، 2011ء)، 229۔
3. جمال نقوی، سائنس و ادب مشمولہ: سائنسی ادب (مرتبہ: عظمت علی خان)، (کراچی: بزمِ سائنسی ادب، 1994ء)، 31۔
4. سعید احمد، اُردو شعرا کا سائنسی شعور (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی)، (فیصل آباد: شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، 2012ء)، 18۔
5. محمد شکیل خاں، ڈاکٹر، اُردو میں سائنسی و تکنیکی ادب (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، 1988ء)، 26۔
6. حمید الدین شاہد، خواجہ، اُردو میں سائنسی ادب (کراچی: ایوان اُردو کتاب گھر، 1969ء)، 19۔
7. میرؔ، محمد تقی، کلیاتِ میر (لکھنو: منشی نول کشور پبلیشرز، 1941ء)، 56۔

8. فاروقی، شمس الرحمن، شعر شور انگیز، جلد دوم (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، تیسرا ایڈیشن 2007ء)، 179-180۔
9. محب عارفی، میر تقی میر اور آج کا شعری ذوق (کراچی: نفیس اکیڈمی پبلیشرز، 1989ء)، 118-119۔
10. سودؔا، مرزا محمد رفیع، انتخاب کلیاتِ سودا (اُردو)، مرتبہ: فاروق ارگلی (نئی دہلی: فرید بک ڈپو، بارِ اول)، مختلف صفحات
11. مصحفی، غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی (دیوانِ ششم)، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن) (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1994ء)،
12. سعید احمد، اُردو شعرا کا سائنسی شعور، 24۔
13. مصحفی، غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی (دیوانِ ہفتم)، مرتبہ: ڈاکٹر نور الحسن (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1995)
14. ناسؔخ، امام بخش، انتخاب غزلیاتِ ناسخ، مرتبہ: کاظم علی خاں (لکھنو: اترپردیش اکادمی، با1974ء)۔
15. https://www.punjnud.com/kalam-nasikh-mein-scienci-mozuaat-punjnud-com/
16. ذوقؔ، شیخ ابراہیم، قصائدِ ذوق (مرتبہ: شاہ محمد سلیمان)، آلہ آباد، 1924ء24۔-
17. ابو محمد سحر، ڈاکٹر، اُردو میں قصیدہ نگاری (دہلی: تخلیق کار پبلیشرز، 2010ء)، 107۔
18. غاؔلب مرزا، دیوانِ غالب جدید (نسخہ حمیدیہ)، (مرتبہ: مفتی محمد انوار الحق، (بھوپال: دھیہ پردیش اُردو اکادمی، 1982

References in Roman Script

1. Hafeez-ur-Rehman Khan, Ilm-o-Adabi Tanazuraat (Lahore: Al-Hamd Publishers, Bar-e-Awwal 1997), 117.
2. Muhammad Ubaidullah Sukhaira, Ahmed Nadeem Qasmi ki Nazm mein Sciencei Shaoor, mashmula: Nuqaat (Nazm Number) Mudeer: Qasim Yaqoob, (Faisalabad: Shumara No. 10, 2011), 229.
3. Jamal Naqvi, Science-o-Adab, mashmula: Sciencei Adab (Murattib: Azmat Ali Khan), (Karachi: Bazm-e-Sciencei Adab, 1994),31.
4. Saeed Ahmad, Urdu Shu'ara ka Sciencei Shaoor (Maqaala Ph.D.), (Faisalabad: Shoba Urdu, Government College University, 2012), 18.
5. Dr. Muhammad Shakeel Khan, Urdu mein Sciencei wa Tekniki Adab (Delhi: Educational Publishing House, 1988), 26.
6. Khwaja Hameeduddin Shahid, Urdu mein Sciencei Adab (Karachi: Aiwan-e-Urdu Kitab Ghar, 1969), 19.
7. Meer, Muhammad Taqi, Kulliyat-e-Meer (Lucknow: Munshi Naval Kishore Publishers, 1941), 56.

8. Shams-ur-Rehman Faruqi, Sher Shor Angaiz, Jild Doem (Delhi: Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zaban, Teesra Edition 2007), 179-180.
9. Muhib Arfi, Meer Taqi Meer aur Aaj ka Sha'ri Zauq (Karachi: Nafees Academy Publishers, 1989), 118-119.
10. Mirza Muhammad Rafi Sauda, Intikhab Kulliyat-e-Sauda (Urdu), Murattib: Farooq Argali (Nai Delhi: Fareed Book Depot, Bar-e-Awwal), mukhtalif safhaat.
11. Mus'hafi, Ghulam Hamdani, Kulliyat-e-Mus'hafi (Diwan-e-Shashum), Murattib: Dr. Noor-ul-Hasan (Lahore: Majlis Taraqqi Adab, 1994).
12. Saeed Ahmad, Urdu Shu'ara ka Sciencei Shaoor, 24.
13. Mus'hafi, Ghulam Hamdani, Kulliyat-e-Mus'hafi (Diwan-e-Haftum), Murattib: Dr. Noor-ul-Hasan (Lahore: Majlis Taraqqi Adab, 1995).
14. Nasikh, Imam Bakhsh, Intikhab Ghazliyat-e-Nasikh, Murattib: Kazim Ali Khan (Lucknow: Uttar Pradesh Academy, 1974).
15. https://www.punjnud.com/kalam-nasikh-mein-scienci-mozuaat-punjnudcom/
16. Zauq, Sheikh Ibrahim, Qasaid-e-Zauq (Murattib: Shah Muhammad Suleman), Allahabad, 1924, 24.
17. Dr. Abu Muhammad Sehr, Urdu mein Qaseeda Nigari (Delhi: Takhleeqkar Publishers, 2010), 107.
18. Ghalib, Mirza, Diwan-e-Ghalib Jadeed (Nuskha-e-Hameedia), Murattib: Mufti Muhammad Anwar-ul-Haq (Bhopal: Madhya Pradesh Urdu Academy, 1982).